© rasailojaraid.com

— پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی

صاحب کشف المحجوب اور مسئلہ سماع

شیخ علی بن عثمان جلابی[1] معروف بہ داتا گنج بخش نے اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب میں سماع پر ایک طویل باب قلمبند کیا ہے۔ یہ باب دراصل کتاب مذکور کے آخری (یعنی پندرہویں) باب کا ایک ذیلی عنوان ہے لیکن پورے باب کے ایک تہائی حصّے پر محیط ہے جبکہ بقیہ "دس ذیلی عنوانات دو تہائی حصّے پر مشتمل ہیں۔ اس سے اس اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مصنّف کے نزدیک اس موضوع کو حاصل ہے۔ اسی پندرہویں باب کو درحقیقت "دراصل کتاب" تصور کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں ابو سعید ہجویری، کے اُن چند سوالات کا جواب دیا گیا ہے جن کی بناء پر یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی۔ پہلے چودہ ابواب ایک طویل پس منظر کے طور پر بیان ہوئے ہیں جن کے ذریعہ "سائل" کے ذہن کو ان جوابات کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے تیار کرنا مقصود ہے۔ مستشرقین نے بالخصوص اور ان کی تقلید میں بعض دیگر اہل تحقیق نے بالعموم چودھویں باب کو جو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے تو محض اسی لئے کہ وہ تاریخی اعتبار سے بڑے اہم مواد کا حامل ہے ورنہ صاحب تصنیف نے تو کتاب کی وجہ تسمیہ ہی یوں بیان کی ہے —"

---

[1] آپ کو عموماً "علی ہجویری" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن "کشف المحجوب" کو سارقوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے کتاب میں اٹھائیس جگہ اپنا نام نامی درج فرمایا ہے اور ستائیس مرتبہ نام کے بعد جلابی کا لفظ ہی لکھا ہے۔ "من کہ علی بن عثمان الجلابی ام همی گویم کہ ...." صرف صفحہ اوّل پر اپنا پورا نام یوں تحریر کیا ہے "شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی جلابی الہجویری والغزنوی" گویا یہاں بھی جلابی پہلے اور ہجویری بعد میں لکھا ہے اور اس کے بعد الغزنوی کا اضافہ بھی موجود ہے جو بعد میں ہجویری کی طرح کہیں بھی مذکور نہیں۔ لہٰذا ہمارے خیال میں اس نسبت ثانی یعنی ہجویری پر اصرار کرنا خود صاحب تصنیف کے منشاء کے خلاف ہے اور الجلابی کہنا موزوں تر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اور وہ جو میں نے کہا کہ اس کتاب کو کشف المحجوب کا نام دیا گیا ہے۔ تو اس امر کی وضاحت کے لئے ہے کہ کتاب کے نام ہی سے اس کے مباحث و نفس مضمون کی گواہی مل جائے خصوصاً اہلِ نظر تو کتاب کے نام ہی سے اس کے موضوعات و مقاصد کا اندازہ کر لیا کرتے ہیں اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اولیائے کرام اور مقربان درگاہِ خداوندی کے علاوہ باقی تمام اہلِ دنیا سے امرِ خداوندی کے لطیف اسرار و رموز حجاب میں رہتے ہیں اور چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان سے متعلق ہے اور اسی ذاتِ واحد کے فرمان و احکام کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے اور حجابِ بشریت کی پردہ دری کرتی ہے اس لئے یہی نام موزوں ترین معلوم دیا اور حقیقت یہ ہے کہ کشفِ حجاب ہمیشہ ہلاکتِ محجوب کا باعث ہوتا ہے، ایسے ہی جیسے کہ حجاب مکاشف کی تباہی کا موجب ہوتا ہے ..... الخ"۔ چنانچہ کشفِ حجابات کا یہ سلسلہ اسی باب سے شروع ہوتا ہے جو گیارہ مختلف حجابات کی پردہ دری کرتا ہے اس میں کوئی طلسماتی فضا قائم نہیں کی گئی، نہ ہی کوئی نئی قسم کی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ باتیں وہی ہیں مثلاً وہی نماز ہے، وہی روزہ، وہی حج، وہی زکواۃ وغیرہ وغیرہ، مصنف نے جو کوشش کی ہے تو ان پردوں کو اٹھانے کی جو ان سب کی حقیقت پر ڈال دیئے گئے ہیں۔ اسی کا نام انہوں نے کشفِ حجاب رکھا ہے اور انہی حجابوں میں ایک حجاب وہ ہے جو لوگوں نے حقیقتِ سماع پر ڈال رکھا ہے اور یہی بابِ مذکور کی آخری بحث ہے جو گیارہویں ذیلی باب سے شروع ہوتی ہے اور خاتمۂ کتاب تک جاری رہتی ہے۔

مخدوم جلابی سماع کو مطلق حلال یا مطلق حرام تصور نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ضرورت ان پردوں کو دور کرنے کی ہے جن میں اسکی حقیقت کو محجوب کر دیا گیا ہے۔ اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں انہوں نے اس بحث کو متعدد ذیلی و تحتی عنوانات میں تقسیم کر کے ہر ایک کی مدلل وضاحت کی ہے۔ بحث کا آغاز انسان کے حواسِ خمسہ (سمع بصر۔ ذوق۔ شامہ اور لمس) سے کیا گیا ہے جو دراصل حصول علم کے پانچ اسباب ہیں۔ گویا ابتدا ہی میں واضح کر دیا کہ سماع جو حسِ سامعہ (سمع) سے وابستہ ہے حقیقت میں حصولِ علم یعنی آگہی، عرفان یا معرفت کا ذریعہ ہے (یہاں ضمنی طور پر معتزلہ کے اس نظریئے کی بھی تردید کر دی ہے کہ "ہر حس کا ایک ہی مخصوص محل ہوتا ہے" کیونکہ حسِ لامسہ تمام اعضاء میں جاری ہے اور اس کا کوئی مخصوص محل نہیں ہے) جملہ حواس کو حصولِ علم کا سبب ثابت کرنے کے بعد آپ نے سمع کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ دلائل یہ ہیں:۔

فضیلتِ سمع

"اہلِ سنت نے سمع کو بصر پر ترجیح دی ہے، اگر کوئی غلط بین یہ کہے کہ سمع تو محض محلِ خبر ہے جبکہ بصر محلِ دیدار و نظارہ ہے اور ظاہر ہے کہ دیدارِ الٰہی کا حاصل ہو جانا اس کے کلام کو سننے سے افضل تر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں پیغمبرؐ سے سن کر ہی تو معلوم ہوا کہ بہشت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنا بھی ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نیز تمام احکامِ شریعت کا انحصار سمع پر ہے ۔ اگر سننا نہ ہوتا تو ان احکام کا اثبات و نفوذ ہی محال تھا ۔ جتنے بھی پیغمبر آئے وہ پیغامِ الٰہی سناتے ہی تو تھے بلکہ اگر وہ معجزے بھی دکھاتے تو اُن کے دیکھنے کی تاکید بھی سننے ہی سے ہوتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس سمع کی فضیلت سے انکار گویا شریعت سے کلی طور پر انکار کے مترادف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ“

سمع کی فضیلت ثابت کرنے کے بعد مصنف نے لکھا ہے سماعِ قرآن سے کوئی بہتر سماع نہیں کہ ـــ

”اِسکی نصیحت تمام دوسری نصیحتوں سے خوب تر ہے، اس کا ہر لفظ دوسرے تمام الفاظ سے بلیغ تر، اس کا حکم باقی تمام احکام سے لطیف تر، اس کی نہی دیگر تمام نواہی سے مانع تر، اس کا وعدہ تمام دوسرے وعدوں سے زیادہ دلربا، اس کے وعید تمام وعیدوں سے زیادہ جانگداز، اس کے قصے تمام قصوں سے زیادہ پُر تاثیر اور مثالیں تمام مثالوں سے فصیح تر ہیں۔ ہزاروں دل تھے کہ سنتے ہی اس کا شکار ہو گئے، لاکھوں جانیں اس کے لطائف پر مر مٹیں ۔ ۔ ۔ حضرت عمرؓ تلوار لے کر گھر سے نکلے لیکن سورۂ طٰہٰ کی دو آیات نے ان کی دنیا ہی بدل دی ۔ ۔ ۔ “ اس کے بعد متعدد بزرگوں کی مثالیں پیش کرتے ہوئے اپنا ایک ذاتی مشاہدہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ـــ ”ایک دن میں شیخ ابوالعباس شقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ دیکھا کہ وہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے کہ ـــ ”اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا“ ـــ (سورۂ النحل آیت ۷۵) اور یوں نعرہ مارتے تھے کہ ہر مرتبہ مجھے یہی گمان ہوتا تھا کہ بس اس دنیا سے رخصت ہو لئے ! میں نے پوچھا اے میرے شیخ ! یہ کیا حالت ہے ؟ فرمایا ـــ گیارہ سال سے اسی ایک آیت کا ورد کئے جا رہا ہوں کہ اس سے آگے بڑھنا میری طاقت سے باہر ہے ۔ ۔ ۔ الخ“

(یہی وہ کیفیت ہے جسے اصطلاحِ صوفیاء میں وجد کہتے ہیں جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا) اسی تسلسل میں قرآنِ پاک کی بعض ایسی آیات نقل کی ہیں جن میں ” سننے کی تاکید کی گئی ہے مثلاً :-

سورۂ الاعراف آیت ۲۰۴ ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو“

سورۂ الزمر آیت ۱۸ ”سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں“

اور پھر ایسی آیات پیش کی گئی ہیں جن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کلامِ حق کو یا تو سنتے ہی نہیں یا کانوں سے سُن کر اسے دل کی طرف نہیں آنے دیتے مثلاً سورۂ الملک آیت ۱۰ ”اور کافر فرشتوں سے یہ بھی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہلِ دوزخ میں شامل نہ ہوتے“

ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے ایک مرتبہ ابنِ مسعود سے فرمایا کہ ”اے ابنِ مسعود ! مجھے قرآن سناؤ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابنِ مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپؐ کو پڑھ کر سناؤں؟ وہ تو آپؐ پہ نازل ہُوا ہے! فرمایا — اے ابنِ مسعود! میں دُوسروں سے سُننا پسند کرتا ہوں"۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے مصنّف نے لکھا ہے کہ "حضورؐ کا یہ ارشاد ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سُننے والا پڑھنے والے سے زیادہ کامل حال ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ قاری حال سے بھی پڑھ سکتا ہے اور غیر حال سے بھی۔ لیکن سُننے والا صرف حال سے سُنتا ہے۔ کیونکہ بولنے میں ایک طرح کا تکبّر سا پایا جاتا ہے جبکہ سُننے میں ایک قسم کی تواضع کا اظہار ہوتا ہے"۔

اس ضمن میں شیخ جلابیؒ نے بہت سی حکایات و روایات بھی درج فرمائی ہیں۔ مثلاً — "احمد بن ابی الحواری روایت کرتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ ایک موٹی اور کھُردری سی گدڑی پہنے ایک کنویں پر کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا — احمد تم ٹھیک وقت پر آگئے۔ اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ بس جان دیدوں۔ کوئی آیت پڑھو۔ میں نے یہ آیت پڑھی — "جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے پھر (اس پر) مستقیم رہے — ..." جوان نے بےتابانہ کہا — اے احمد! خدائے کعبہ کی قسم تم نے وہی آیت پڑھی جو ......" اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

ان تمام امثال و دلائل سے صاحبِ کشف المحجوب نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ انسان کے حواسِ خمسہ میں سے (کہ یہی ذریعۂ حصولِ عرفان و آگہی ہیں) سمع کو افضل ترین درجہ حاصل ہے۔ یہ گویا تمہید ہے سمع سے سماع کی طرف منتقل ہونے کے لئے۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہم کچھ ان کے اور کچھ اپنے الفاظ میں درج ذیل کئے دیتے ہیں :—

سماعِ اشعار اور اس سے متعلقہ امور

"فی الجملہ شعر کا سُننا مباح ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے بھی شعر سُنے ہیں۔ اور صحابہ کرام نے (اللہ اُن سے راضی ہو) شعر سُنے ہیں اور کہے بھی ہیں۔ ارشادِ پیغمبرؐ ہے کہ — "بلاشبہ بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں" پس معلوم ہوا کہ ہر شعر شعر نہیں بلکہ شعر وہی ہے جو حکمت پر مبنی ہو۔ لیکن حضورؐ اور صحابہؓ کے ارشادات و اقوال کے سلسلے میں لوگوں کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ہر طرح کے اشعار کو حرام سمجھتے ہیں اور انکے برعکس بعض ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر شعر کا سُننا حلال ہے۔ اور اسی بہانے رات دن غزلوں میں حسنِ محبوب اور اس کی زلف و خال کی باتیں سنا کرتے ہیں۔ میرا مقصد ان دونوں میں سے کسی ایک گروہ کو صحیح ثابت کرنا نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتّہ یہ ضرور ہے کہ بیشتر مشائخِ طریقت اس روائیت کے قائل ہیں کہ حضورؐ سے شعر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا "جو شعر اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو بُرا ہے وہ بُرا ہے" یعنی جو باتیں حرام ہیں مثلاً غیبت، بہتان، فحش گوئی، ہجو و مذمّت اور کلماتِ کفر وغیرہ جو سب کی سب نثر میں حرام ہیں وہ شاعری میں بھی حرام ہیں لیکن وہ باتیں جن کا نثر میں سُننا حلال ہے مثلاً حکمت، پند و مواعظ، آیاتِ حق میں استدلال، شواہدِ حق میں غور و فکر وغیرہ وہ شعر و شاعری میں کیونکر حرام قرار دی جا سکتی ہیں؟ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تو محبوب کی چشمِ مخمور، رُخِ زیبا، خدّ و خال، زلفِ پیچاں اور سیاہ تِل میں حق تعالیٰ ہی کو جلوہ گر پاتا ہوں اور اسی کا طالب ہوں تو وہ گویا اس بات کو بھی جائز سمجھتا ہے کہ کسی دُوسرے کی چیز کو دیکھے اس کے خدّ و خال سے ناجائز آسُودگی حاصل کرے اور کہہ دے کہ میں تو حقِ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہُوں اور اسی کی طلب میں ہوں۔ یوں تو شریعت ہی یکسر باطل ہو کر رہ جائے اور نامحرموں کو چھُونے کی جو ممانعت و ملامت کی گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔"

اس تقریر سے مصنّف کی مراد یہ ہے کہ سماعِ اشعار حرام نہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر قسم کے اشعار کا سُننا حلال قرار دیدیا جائے۔ جیسا کہ تصوّف کے مُدّعی جاہل لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے صوفیہ کو دیکھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ سماع حلال ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو صوفیائے کرام ایسا کیوں کرتے؟ اور پھر ظاہری تقلید اس طرح سے شروع کی کہ سماع کے حقیقی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا اور خود تو ہلاک ہونا ہی تھا اپنے ساتھ دُوسرے جاہلوں کو بھی لے ڈُوبے اور صُوفیاء کو الگ بدنام کیا۔

خوش الحانوں کے سماع کے بارے میں

حدیث پیمبرؐ ہے کہ "قرآن پڑھنے میں اپنی آوازوں کو سنوارو"۔ نیز فرمایا۔ "جو شخص داؤد علیہ السلام کی آواز سُننے کا متمنّی ہو اسے چاہیئے کہ ابو موسیٰ اشعری کی آواز سُنے" اور احادیث میں وارد ہے کہ "بہشت میں اہلِ بہشت کو سماع حاصل ہوگا" چند کیفیات و نظریات کا نچوڑ:۔

اطبّاء ــــ "رُوح لطیف چیز ہے اور دلکش آوازوں میں بھی لطافت ہوتی ہے گویا جنس کا جنس سے ملنا ہے"۔

حکماء ــــ "شتربان اور گدھے والا جب راستہ میں گاتا ہے تو اونٹ (یا گدھا) سرور کی حالت میں بلا تکان سفر کئے جاتا ہے۔

عام مشاہدہ ــــ "سماع انسان اور حیوان دونوں میں ہے۔ مختلف قسم کی آوازیں جب مل کر نکلتی ہیں تو اُن کے امتزاج سے عجیب لذّت پیدا ہوتی ہے جو طبائع کو مرغوب ہوتی ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شناسانِ فطرت (یعنی ماہرینِ نفسیات) نومولود بچوں کے ہوشمند ہونے کا اندازہ اسی سے لگایا کرتے تھے کہ بچہ اگر لوری سن کر (اگرچہ وہ بھی گانا ہی ہوتا ہے) خاموش ہو جاتا تو اسے ہوشمند تصور کیا جاتا تھا ورنہ پاگل یا احمق۔

سحرِ موسیقی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خراسان اور عراق میں شکاری لوگ رات کو ایک طشت بجاتے ہیں جسے سن کر ہرن اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اسے پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں شکاریوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو سریلی آوازوں کی لذت سے ہرن کو مسحور کر کے اسے پکڑ لیتا ہے۔

قولِ فیصل۔ مندرجہ بالا توضیحات کے بعد مصنف نے اپنا قولِ فیصل ان الفاظ میں بیان کیا ہے "اس پر بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے خوش الحانی، سریلی آواز اور ساز و مزامیر وغیرہ اچھے نہیں لگتے تو وہ جھوٹ کہتا ہے یا منافقت برت رہا ہے یا پھر اس کے حواس میں فتور ہے۔ یعنی اس کی حسِ لطیف میں خرابی ہے اور اسے انسانوں تو کیا حیوانوں میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔"

شیخ علی ہجویریؒ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلت و حرمت سے قطع نظر وہ ساز و مزامیر کی لذت کے منکر نہ تھے۔ وہ زور صرف احتیاط اور موقع و محل پر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو بعض صوفیائے بزرگ اس سے منع کرتے رہے ہیں تو اس لئے کہ امرِ خداوندی کی رعایت انہیں ملحوظ رہتی ہے۔ ان کے خیال میں فقہا کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر لہو و لعب کے اسباب موجود نہ ہوں تو اس کا سننا مباح ہے۔ اس ضمن میں صاحبِ کشف المحجوب نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کی کتاب موسوم بہ "سماع" کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں ایسی جملہ احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہے جن سے حلتِ سماع ثابت ہے تاہم ان کی اباحت کا فیصلہ سلمی نے قارئین پر چھوڑ دیا ہے لیکن داتا صاحبؒ کسی حتمی بحث کے قائل نہیں کیونکہ انہیں اپنے خلوصِ تحقیق پر پورا بھروسہ ہے۔ ہر محقق عالم سے اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن بعض اوقات محقق کا اندازِ بیان معذرت آمیز سا ہوتا ہے جس میں تذبذب اور ابہام کی کیفیت تاثرِ کلام پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ بعض اہلِ تحقیق ہر بات فیصلہ کن انداز میں پورے یقین اور اعتماد سے کہا کرتے ہیں [illegible] ہوتا ہے بلکہ اندازِ بیان میں ایک وقار پیدا ہو جاتا ہے۔

[illegible] شیخ علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب کے اندر یہ خصوصیت نمایاں طور پر موجود ہے

[illegible] سلمی نے اباحت کا فیصلہ قارئین پر [illegible] داتا صاحب اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے فرماتے ہیں ـــــ "مشائخ کی مراد اس سے کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ جملہ اعمال میں فوائد کے قائل ہیں اور انہی میں سماع بھی شامل ہے جس کے بارے میں اباحت طلب کرنا یعنی اس کے مباح ہونے یا نہ ہونے کی توثیق و تصدیق چاہنا عوام کا کام ہے جو خود نہ عالم ہوتے ہیں اور نہ فقیہہ و متصوّف۔ بندگان باشعور کو اس کی فکر نہ ہونا چاہیئے کہ وہ غیر مباح کام کرنے ہی کیوں لگے۔ ان کا عمل و فعل مباح تو ہوتا ہی ہے دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ اس سے روحانی فوائد کہاں تک حاصل ہو سکتے ہیں"

علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مرو کے اہل حدیث اماموں میں سے ایک مشہور امام نے اباحتِ سماع پر ایک کتاب لکھی تو میں نے کہا ـــ "یہ تو ایک بہت بڑی مصیبت دین کے لئے پیدا ہو گئی کہ جناب امام نے ایک ایسے لہو کو حلال قرار دے دیا ہے جو فسق و فجور کی جڑ ہے! اس پر امام نے کہا کہ اگر تم اسے حلال تصور نہیں کرتے تو خود ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا اس کا حکم مختلف حالتوں میں مختلف ہے۔ اگر اس کی تاثیر دل میں حلال ہے تو اس کا سماع بھی حلال ہے۔ اگر وہ دل میں حرام ہے تو اس کا سماع بھی حرام ہے، اور اگر اس کی تاثیر دل میں مباح ہے تو اس کا سماع بھی مباح ہے پس سماع ہی کیا کوئی بھی چیز ہو اگر اس کا ظاہر فسق و فجور ہو لیکن باطن میں اسکی تاثیر مختلف صورتیں اختیار کر سکتی ہو (جو ضروری نہیں کہ حرام ہی ہوں ـــ حلال و مباح بھی ہو سکتی ہیں) تو اس کی حلت و حرمت کے بارے میں ایک ہی بات کا اطلاق ہر صورت میں نہیں ہو سکتا۔" گویا صاحب کشف المحجوب کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ امام نے سماع کو حلال کیوں کہا بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسے حلالِ مطلق کیوں قرار دے دیا گیا ہے کہ اس سے تو واقعی فسق و فجور کی راہیں کھل جانے کا اندیشہ لاحق ہے سننا حرام نہیں بلکہ ان چیزوں کا سننا حرام ہے جو حرام کاری کی ترغیب و تحریص کا باعث ہوں۔

احکامِ سماع

وہ جاننا چاہیئے کہ جس طرح دلوں کے اندر ارادے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح سماع میں بھی طبائع کے اختلاف کی وجہ سے مختلف حکم ہیں اور اس سے بڑھ کر ستم کیا ہوگا کہ کوئی ان سبکو ایک ہی حکم کے تحت لا کر ایک ہی حکم لگا دے۔ سننے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو معنی کو سنتے ہیں اور دوسرے وہ جو صرف آواز کو سنتے ہیں اور ان دونوں میں جہاں فائدے ہیں وہاں نقصانات بھی ہیں۔ کیونکہ سُریلی آوازوں کا سُننا غلبۂ معنی کے تحت ہوتا ہے جو بنی آدم کی طبائع میں ترکیب دیا گیا ہے، چنانچہ اگر وہ غلبۂ معنی ہی باطل ہو تو وہ سماع بھی باطل ہے۔ جس شخص کی طبیعت میں فساد بھرا ہو وہ جو کچھ بھی سُنے فساد ہی ہوتا ہے۔

صاحب کشف المحجوب نے تصوف کے جھوٹے دعویداروں کی قلعی کھولنے میں ذرہ دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا کہ یہی وہ گمراہ طبقہ تھا جس نے تصوف کو رسوا کر کے رکھ دیا اور علماء و فقہاء کی نظروں سے گرا دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ـــــ "اور تصوف کے جھوٹے مدعیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ہمارا سماع تو کسی اور ہی کیفیت کا حامل ہے یعنی جو کچھ وہ حقیقت ہی ہے ہمیں اس کے برعکس دکھائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا ہے۔ مراد اس ڈھونگ سے یہ ہوتی ہے کہ جو چیز بظاہر فحش ہے انہیں اس میں بھی جلوۂ حقیقت ہی دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ یہ محال ہے۔ ولایت کا کمال یہ تو نہیں کہ حقیقت اُلٹی دکھا دے۔ اصل کمال تو یہی ہے کہ ہر شے ویسی ہی دکھائی دے جیسی کہ وہ ہے۔ تا کہ دید صحیح معنوں میں دید ہو جائے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ دید کی خامی اور غلط بینی کا فتور ہے نہ کہ کمالِ ولایت۔ حضور پیغمبر کا واضح ارشاد موجود ہے کہ۔۔ بار خدایا! مجھے ہر چیز کو ویسی ہی دکھا جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے۔۔۔ تو یہ جو بیان کیا، یہی درست ہے کہ ہر چیز ویسی ہی نظر آئے جیسی کہ در حقیقت وہ ہے۔ تو لامحالہ سُننا بھی یہی درست ہے کہ جو کچھ سنیں وہ اپنی صحت کے عین مطابق ہو یعنی جو سنا جائے وہ ویسا ہی ہو جیسا کہ حقیقت میں وہ ہے۔۔۔۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کلام الٰہی سننے کو تو کفار نے بھی سنا تھا لیکن وہ حقیقت تک نہ پہنچ سکے لہٰذا گمراہ سے گمراہ تر ہوتے چلے گئے مثلاً اس کا مذاق بھی اڑاتے رہے، چنانچہ نضر بن الحارث نے کلام الٰہی سنا تو کہا۔۔۔ "یہ تو وہی پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں"۔۔۔۔۔ چونکہ ان لوگوں کے دل گمراہی اور ضلالت میں گرفتار تھے اس لئے کلام الٰہی کا سننا بھی ان کے لئے بے سود رہا اور ان کے برعکس توحید پرستوں نے کلام الٰہی تو کیا شاعر کا شعر بھی سنا تو اس پہ نظرِ حقیقت بین ڈالی اور شاعر کے تخیل کو نہیں بلکہ تخیل کے خالق کو اس میں جلوہ گر پایا اور شاعر کو نہیں بلکہ دلِ شاعر کو آراستگی بخشنے والے کو دیکھا اور شعرِ شاعر میں جو شے قابلِ اعتبار نظر آئی وہ شاعر نہ تھا بلکہ خالقِ شاعر، اور فعلِ شاعر کا فاعل ان کے نزدیک شاعر نہ تھا بلکہ خود حق تعالیٰ تھا۔ اور شعر کو انہوں نے فاعلِ حقیقی کے خالقِ کل ہونے کی دلیل گردانا اور یوں اہلِ ضلالت کو حق میں بھی گمراہی ملی اور موحدوں نے باطل کی تاریکیوں میں بھی نورِ حق کو پا لیا۔ اور سیدھی راہ ڈھونڈ لی"۔

اس ضمن میں مشائخ طریقت کے لطیف کلمات، اقوال اور رموز کا حوالہ دیتے ہوئے جہاں ان کے ارشادات نقل کئے ہیں، وہاں ساتھ ساتھ ان کی وضاحت کے علاوہ تنقید بھی کی ہے۔ چنانچہ ذوالنون مصری کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ۔۔۔ "سماع حق کی طرف سے وارد ہونے والا فیضان ہے جو دلوں کو حق ہی کی طرف لے جاتا ہے" لکھتے ہیں:۔ "اس قول سے اس بزرگ کی مراد یہ نہیں کہ سماع وصلِ حق کی علت یا سبب بن جائے گا بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ سننے والے کے پاس اگر گوشِ حق نیوش ہے تو وہ معنی پہ توجہ دیتا ہے نہ کہ محض آواز کے اتار چڑھاؤ پر، کہ دلِ حق نیوش ہی تو فیضانِ الٰہی کا محل ہوتا ہے، یہ معنی ہی ہیں جو دل میں اتر کر حق کی طرف ابھارتے ہیں۔ پس جو شخص سماع میں حق کا تابع ہوگا وہ محقق بھی کہلائے گا اور جو نفس کی غلامی اختیار کرے گا اس کے لیے حجاب اور پردوں کے سوا اور کیا دھرا ہے؟ گویا اہلِ تحقیق سماع میں بھی اہلِ تحقیق ہی ہوتے ہیں اور اہلِ تاویل سماع میں بھی تاویل کے دامن سے چمٹے رہتے ہیں اور یہی چیز انہیں تحقیق سے دور اور فسق و فجور سے قریب تر کر دیتی ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سماع اور آوازِ زاغ

بعض اصحاب جنوں کے خیال میں حضرت ہجویری سماع کے قائل ہی نہیں۔ یہ کہا کرتے ہیں کہ کشف المحجوب میں سماع کو کوّے کی آواز قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں وہ واقعہ نقل کر دینا مناسب ہوگا جو اپنے استاد ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان کے بارے میں صاحب کشف المحجوب نے بیان کیا ہے ـــــ "ایک دفعہ گرمیوں کا سخت گرم دن تھا کہ میں ان کی خدمت حاضر ہوا۔ میں سفر کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تھکاوٹ کے علاوہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ بڑی شفقت سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ اس وقت تمہارا دل کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا ـــــ یا شیخ! مجھے اس وقت سماع کی ضرورت ہے۔ اسی وقت آدمی بھیج کر قوال کو بلوایا اور کچھ اہل عشرت بھی وہاں پہنچ گئے۔ گانا شروع ہوا۔ لڑکپن کی گرمی و جوش، شوقِ محبت اور سوزشِ جذبات سے سینہ لبریز تو تھا ہی، پس کلماتِ سماع نے مجھے تڑپا کے رکھ دیا۔ جب اس کیفیت کا غلبا و جوش کچھ کم ہوا تو مجھ سے پوچھا ـــــ اے عزیز! تیرے لئے یہ سماع کیسا رہا؟ میں نے کہا اے شیخ! میں بے حد محظوظ ہوا ہوں۔ فرمایا ـــــ ٹھیک ہے لیکن وہ وقت بھی آئے گا کہ نغمۂ مغنیّ اور کوّے کی آواز دونوں تجھے یکساں محسوس ہوں گے کیونکہ قوتِ سماع اسی وقت تک رہتی ہے جب تک قوتِ مشاہدہ حاصل نہ ہو۔ جب وہ حاصل ہو جائے تو قوتِ سماع اور سمعتِ سماع حقیر سی دکھائی دینے لگتی ہے اور میری یہ نصیحت یاد رکھو کہ سماع کو بطور عادت اختیار نہ کر لیجیو، مبادا یہ تمہاری طبیعت ثانیہ بن جائے اور تم اصل مقصد سے محروم ہو جاؤ۔"

شاید یہاں کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ خواجہ مظفر کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ جب کان حقیقت نیوش بن جاتے ہیں تو خالق کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ہر کسی کی آواز آوازِ خالق ہی معلوم دیا کرتی ہے اور کوّے کی آواز بھی ویسی ہی سریلی معلوم ہونے لگتی ہے جیسی کہ بلبل کی۔ یہ سماع کی مخالفت تو نہ ہوئی بلکہ کانوں کو سماعِ حق کا خوگر بنانے کی تلقین کی ہے۔ خواجہ میر درد نے اسی تصور کو شعر کا جامہ پہنایا ہے ؎

عقلت دل ہوئی نگہ پنبۂ گوشِ خلق درد
بلبلِ داستان سرا ورنہ ہر ایک زاغ ہے

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص انداز میں ترجمان القرآن کے دیباچہ میں اس بات کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ "تم کہتے ہو قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور کیوں ہے؟ لیکن تم یہ بھول جاتے ہو کہ ارغنونِ ہستی کا نغمہ کسی ایک ہی آہنگ سے نہیں بنا ہے ...... موسیقیٔ فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سُر ضروری تھا اُسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سُر بھی ناگزیر تھا۔ بلبل و قمری کو اس سرگم کا اُتار سمجھو اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ ؎

بمراہلِ ذوق در فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوتِ زاغ شنو

یہ سماع کا انکار تو نہ ہوا، البتہ اس کی گہرائیوں میں اتر جانے پہ اصرار ضرور ہے چنانچہ صاحب کشف المحجوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنے لڑکپن میں جو بات خواجہ مظفر سے سنی تھی۔ وہی آگے چل کر اپنے مرشدِ طریقت شیخ ابوالفضل الختلی سے ذرا مختلف انداز میں سُنی اور اسی سے وہ بالخصوص متاثر نظر آتے ہیں شیخ الختلی کے الفاظ یہ ہیں ــــــ "سماع تو پیچھے رہ جانے والوں کا زادِ راہ ہے۔ ورنہ منزل پر پہنچ جانے والوں کو اس کی کیا حاجت رہ جاتی ہے"؟ گویا عاجز دل اور پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ہی سہی سماع کو "زادِ راہ" کی حیثیت وہ بھی دیتے ہیں۔ شیخ الختلی کے پیر طریقت علی بن ابراہیم الحصری کا قول اس سے بھی لطیف تر ہے۔ وہ فرماتے ہیں ــــــ "میں اس سماع کو کیا کروں جس کا سلسلہ سُنانے والے کے خاموش ہو جانے سے منقطع ہو جائے۔ لطف تو جب ہے کہ سماع سے سماع کا اتصال جاری رہے اور کبھی اس کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے" صاحبِ کشف المحجوب اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بندہ جب اس درجہ پر پہنچ جائے تو سارا عالم ہی اس کے لئے سماع کا ساماں ہے اور پتھر اور مٹی بھی اسے محوِ سماع معلوم دیتے ہیں۔

سماع میں اختلافات

کا ذکر کرتے ہوئے صاحبِ کشف المحجوب نے جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے وہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی خاصے کی چیز ہے۔ صوفیوں کا ایک گروہ سماع کو غیبت کا .. .. آلہ تصور کرتا ہے۔ کیونکہ وصلِ دوست کے محل میں دوست سماع سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ مشاہدہ میں خبر کی کیا حاجت؟ ان کے برعکس ایک گروہ کے نزدیک یہ حضوری کا آلہ ہے کیونکہ محبت کلیت کی طالب ہے اور وصل میں جہاں دل کا حصہ محبت، باطن کا حصہ مشاہدہ، روح کا حصہ اتصال، وصل اور جسم کا حصّہ خدمت ہوتا ہے۔ وہاں کان کا بھی تو حصہ ہونا چاہیئے تاکہ کلیت ناقص نہ رہے۔ پھر ایک شعر نقل کرتے ہوئے اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔ وصل میں سماع کا حصہ۔ یعنی اے دوست! مجھے جامِ شراب دے کہ میری آنکھ اسے دیکھ لے۔ میرا ہاتھ اسے چھو لے۔ میری زبان اسے چکھ لے اور میری ناک سونگھ لے لیکن اے دوست! یہ سب حواس لطف اندوز ہوں تو ایک حسّ یعنی حسّ سمع ہی کیوں محروم رہ جائے۔ پس کہہ دے کہ یہ شراب ہے تاکہ کان بھی بے نصیب نہ رہیں اور تمام مل کر اس میں کھو جائیں۔

سماع میں صوفیاء کے درجات و مراتب

اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر سننے والے کا ذوق اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً تائب جو کچھ سنتا ہے وہ اس کی حسرت و ندامت میں اس کا مددگار ثابت ہوتا ہے یعنی اس کا ارمان پھر سے تازہ ہو جاتا ہے کہ اے کاش! میں نے گناہ کیے ہی نہ ہوتے۔ اسی طرح مشتاقِ دید کا شوقِ مشاہدہ اور صاحبِ تحقیق کا جذبۂ تحقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے قوی تر ہو جاتا ہے۔ گویا اس کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ وہ چمکتا تو تمام چیزوں پر ہے۔ لیکن اس کا اثر ہر چیز پر یکساں نہیں ہوتا بلکہ (۱) کسی چیز کو تو جلا دیتا ہے (۲) کسی کو صرف روشن کر دیتا ہے (۳) کسی کو نوازتا ہے اور (۴) کسی کو پگھلا کے رکھ دیتا ہے۔ پس اسی طرح سننے والوں کے مختلف درجے اور مراتب ہیں، جن میں اول مبتدی دوم متوسط اور تیسرے کامل کہلاتے ہیں۔ صاحب کشف المحجوب اس بات کے قائل ہیں کہ ساز و مزامیر کا اثر انسانی طبائع پر لازماً ہوا کرتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ ـــ "ملک روم کے شفاخانہ میں ایک چیز تیار کی گئی ہے کہ بے حد عجیب و غریب ہے اور اسے "انکلیون" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ اس خاص ساز کا نام نہیں بلکہ اہل روم ہر انوکھی چیز کو انکلیون ہی کہا کرتے ہیں مثلاً مانی کی مصنوعات کو بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے) اہل شفاخانہ ہفتے میں دو مرتبہ بیماروں کو وہاں لے جاتے ہیں اور سازندوں کو یہ ساز بجانے کا حکم دیا جاتا ہے جس سے بیماری کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے تو بیمار کو باہر لے آتے ہیں۔ اور اگر کسی کو ہلاک کرنا چاہیں تو زیادہ دیر اُسے وہاں ٹھہرائے رکھتے ہیں تا آنکہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے"۔ ان تمام شواہد سے صاحبِ تصنیف کا مقصد مبتدیوں کے اضطراب و بیقراری اور منتہیوں کے صبر و سکون کو واضح کرنا ہے۔ یاد رہے کہ مصنف نے یہ کتاب رہروانِ راہِ سلوک کی رہنمائی کے لئے لکھی۔ ان کا خطاب خواص سے ہے براہ راست عوام سے نہیں اگرچہ عوام بھی اس سے حسبِ توفیق استفادہ کر سکتے ہیں اور ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ اشارہ کر دینا ہمارے نزدیک اس لئے ضروری تھا کہ بعض لوگ ان باتوں کو عام آدمیوں کے لئے ناممکن العمل بتایا کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ مصنف کا خطاب کن سے ہے۔ حقیقت میں تو ان کے مخاطب ابو سعید ہجویری ہیں اور بالواسطہ گویا وہ ان تمام لوگوں سے مخاطب ہیں جو راہِ راست پر چلنے کے لئے رہنمائی کے محتاج ہیں۔ ان میں خاص و عام اور ہر درجہ کے لوگ شامل ہیں اور ہر کوئی ان سے حسبِ استعداد مستفید ہو سکتا ہے۔ صاحب کشف المحجوب اس امر سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ابتدائے حال میں سماع سے پیدا شدہ واردات کی تاب لانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک درجِ ذیل ہے :۔

رقی کی روائت کے مطابق شیخ دراج نے کہا کہ ـــ "ایک مرتبہ میں ابن القرظی کے ہمراہ دجلہ کے کنارے چلا جا رہا تھا۔ بصرہ اور ابلہ کے درمیان ہم ایک محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص (اوپر محل میں) بیٹھا تھا اور ایک لونڈی پاس میں بیٹھی یہ شعر گا رہی تھی (ترجمۂ شعر) "میں تجھ سے محبت کرتا تھا تو خدا کے لئے کرتا تھا۔ اس لئے ہر روز تیرا نئے سے نیا رنگ بدلنا کیسا دلکش معلوم ہوتا تھا" ـــ ادھر ایک نوجوان کو دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ زیر دیوار کھڑا تھا۔ یہ شعر سنتے ہی لونڈی سے کہنے لگا اے کنیزک! خدا کے لئے ایک مرتبہ یہ شعر پھر سے کہہ دے لونڈی نے شعر دوہرایا تو اس نوجوان نے نعرہ مارا اور وہیں جان دے دی ...... الخ" اس پر علی جلابیؒ خالص ادیبانہ انداز میں فرماتے ہیں ـــــ "پس اہلِ صومعہ اگر شراب خانے میں چلا جائے تو شراب خانہ بھی اس کے لئے عبادت خانہ ہوتا ہے اور اہلِ خرابات کا گزر اگر صومعہ سے ہو جائے تو وہ عبادت خانہ بھی میخانہ ہی بن جاتا ہے ....."۔ اس ضمن میں ایک ذاتی مشاہدہ کا حوالہ بھی صاحبِ کتاب نے دیا ہے جو انہیں آذربائیجان کے پہاڑوں میں پیش آیا۔ (طوالت کے خوف سے ہم وہ اشعار یہاں درج نہیں کر سکتے جنہیں گاتے گاتے ایک درویش نے ان کے سامنے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی تھی)

سماعِ مکروہ

اس کتاب میں جہاں پاکیزہ و بلیغ اشعار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے وہاں ہوس انگیز اشعار کو مکروہ بھی کہا گیا ہے۔ (بلکہ بعض حالتوں میں حرام بھی قرار دیا گیا ہے) اور مندرجہ ذیل روایات کا حوالہ دیا گیا ہے ـــ (۱) حضور پیغمبرؐ نے حسان بن ثابت کی لونڈی شیریں کو گانے کی وجہ سے جھڑکا۔ (۲) حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو گانے کی وجہ سے درّے لگوائے (۳) حضرت علیؓ نے امیر معاویہ پر اعتراض کیا کہ ان کے پاس گانے والی لونڈیاں موجود ہیں۔ نیز اپنے فرزند حسنؓ کو اس حبشی عورت کو دیکھنے سے منع فرمایا جو گانا گا رہی تھی۔ چنانچہ ان روایات کی بنا پر مشائخ کے ایک گروہ نے اسے مکروہ ہی نہیں حرام قرار دیا ہے۔ بعض دیگر بزرگوں کے نظریات کو کتاب میں بلا تبصرہ قلمبند کیا گیا ہے۔ (۱) بعض بزرگ نہ سماع کرتے ہیں اور نہ کسی ایسے مجمع میں بیٹھنا گوارا کرتے ہیں اور نہ کسی ایسے مجمع میں بیٹھنا گوارا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ مریدانِ حق آفتِ نفس اور کاہلی میں گرفتار ہو جائیں[1]

(۲) اہلِ سماع کا ایک گروہ ایسا ہے کہ اسے صرف اہلِ لہو کہنا ہی مناسب ہے نہ کہ مردانِ حق۔

(۳) عوام سے شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ انہیں اس فتنے سے بچایا جائے۔ لایعنی اور مہمل باتوں میں مشغول ہونا محض وقت کو گنوانا ہے اور دوستوں کا وقت عزیز دوستوں کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ضائع کرنے کے لئے۔!

ان نظریات کا بلا تبصرہ اندراج اس حقیقت کا غماز ہے کہ مصنف نے

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ بھی ایسی مجلس میں شریک نہ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "احوال تابع شریعت ہیں نہ کہ شریعت تابع احوال؟" (بحوالہ تذکرہ حضرات اولیائے کرام صفحہ ۱۳۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں ان کی تردید نہیں کی وہاں تائید بھی فرودی تصور نہیں کی۔ اور وجد پر بحث کا آغاز کردیا ہے۔

وجد (یعنی رقص)

وجد، تواجد، وجود

صاحبِ کشف المحجوب کے نزدیک رقص بہر صورت حرام ہے کہ اگر بُری طرح سے کیا جائے تو لغو ہے اور اچھی طرح یعنی ڈھب سے کیا جائے تو لہو ہے اور دونوں میں سے کوئی صورت بھی پسندیدہ نہیں۔ صاحب تصنیف کے اس بیان سے یہ بات واضح ہے کہ جس چیز کو انہوں نے یہاں لہو کہا ہے۔ اس سے مراد رقص کا فنّی انداز سے پیش کیا جانا ہے گویا وہ اس کے مخالف تو تھے لیکن اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ رقص ایک باقاعدہ فن ہے اور اسے "اچھی طرح" بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ اگرچہ پسندیدہ صورت وہ بھی نہیں۔ لیکن وجد پر انہوں نے تفصیل سے بحث کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک رقص اور وجد میں بنیادی طور پر فرق پایا جاتا ہے۔ ہم یہاں اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتے صرف اشارۃً یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ رقص کرنے والے کا مقصد اپنے فن کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے اور وہ عالم ہوش میں دوسروں کو اپنے فن سے محظوظ یا متأثر کرتا ہے جبکہ اہلِ وجد کا یہ فعل عالم بے خودی میں ان سے سرزد ہوتا ہے اور ان کا مقصد فن کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ بحالتِ ہوش وہ اس کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (ریاکاروں اور منافقوں کا معاملہ ان سے مختلف ہے اور ظاہر ہے کہ انہیں صاحبِ وجد کہا بھی نہیں جا سکتا)۔ چنانچہ صاحبِ تصنیف لکھتے ہیں کہ ــــ "رقص کے حق میں تمام دلائل باطل ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وجد و تواجد بھی تو رقص کی طرح ہی ہے انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ وجد کی حرکتیں اور اہلِ تواجد کے کام بظاہر اسکی (رقص کی) مانند تو ہیں لیکن ان سے لہو و لغو کا جواز پیدا نہیں ہوتا کیونکہ "حالتِ وجد میں خفقان سا سر پہ غلبہ پالیتا ہے۔ یعنی اپنی لغزشوں پہ ایک خفت سی پیدا ہو جاتی ہے، قوت قوی ہو جاتا ہے، حال اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور یہ ترطیب نہ رقص ہے اور نہ ناچ تھرک ــــ یہ تو جانگدازی ہے اور جو اسے رقص کہے وہ طریقِ حق سے بہت دور ہے ــــ یہ تو ایک حال ہے جسے زبان سے بیان نہیں کر سکتے اور یہ حالتِ سماع میں معنی کے صحیح ادراک کے بعد قلب و ذہن پر طاری ہوا کرتی ہے . . . . "۔ کشف المحجوب میں ان تینوں الفاظ کے جو معنی بیانیہ انداز میں (یعنی مسلسل عبارت کی صورت میں) بیان کئے گئے ہیں انہیں ہم خاکۂ ذیل میں پیش کرتے ہیں :-

وجد ۔ لغت میں : غم یا اندوہ
وجود ۔ " " : پالینا
} دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے یعنی واجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجد ــــ سماع میں :- حالتِ غم جو محبوب کی گمشدگی یا مراد کے منع کر دیئے جانے سے پیدا ہوتی ہے ۔ شور و فغاں، نالہ و گریہ اس کے احوال میں جنہیں حالتِ طیش بھی کہہ سکتے ہیں ۔

وجود ــــ سماع میں :- مراد کو پا لینے کی حالت، نغمہ و کیف، فرحت و شادمانی اس کی کیفیات ہیں اور اسے حالت عیش بھی کہا جا سکتا ہے ۔

وجد بمعنی اندوہ اور حُزن بمعنی اندوہ میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ وجد وہ غم ہے جو اپنے نصیب میں ہو جبکہ حزن وہ غم ہے جو محبت کے طور پر نصیبِ غیر میں ہوتا ہے ۔ پس وجد طالب و مطلوب کے درمیان ایک بھید ہے جس کا بیان کرنا مکاشفہ میں غیبت ہے جبکہ وجود محبوب کی طرف سے محب کے حق میں ایک فضل ہے ۔

واجد کی صفت :- (۱) حجاب کی حالت میں غلبۂ شوق میں حرکت (یہی وہ اضطراری کیفیت ہے جس میں رقص سے مشابہ حرکات واجد سے سرزد ہوا کرتی ہیں)

(۲) کشف کی حالت میں مشاہدہ سے آرام (یہ وہ کیفیت ہے جس میں حرکات نہیں ہوتیں لیکن فرحت انگیز بے خودی طاری ہو جاتی ہے)

وجد اور وجود کی فضیلت کے بارے میں صوفیاء کے اقوال مختلف ہیں :-

ایک گروہِ صوفیاء	دوسرا گروہ صوفیاء
(۱) وجد افضل ہے کہ یہ عارفوں کی صفت ہے	وجود افضل ہے کہ یہ محبوّں کا تحفہ ہے ۔
(۲) وجود کمتر ہے کہ یہ مریدوں کا درجہ ہے	وجد کمتر ہے کہ یہ مریدوں کا جلنا ہے ۔
جنیدؒ : "جس نے طلب کیا وہ غمگیں ہوا"	شبلیؒ : "وہ جو غمگیں ہوا اس نے طلب کیا"

قولِ فیصل ــــ " اور میرے (علی الجلابیؒ کے) نزدیک جنیدؒ کا قول معتبر ہے کیونکہ جب بندہ پہچان لے گا کہ اس کا معبود اس کی جنس نہیں تو اس کا سلسلۂ غم و الم دراز ہو جائے گا ۔ علم کا غلبہ وجد کے غلبہ سے قوی تر ہونا چاہیئے ورنہ واجد اگر وجد سے مغلوب ہو جائے تو وہ خطرہ کے محل میں ہوگا" ۔ جیسا کہ اس قول سے ظاہر ہے حضرت علی جلابیؒ تصوف میں مکتبِ جنید کے پیروکار تھے اور سُکر و مستی پہ صحو یعنی عقل و ہوش کو ترجیح دیتے تھے ۔ اسی لئے جنیدؒ نے شبلی کے بارے میں کہا تھا کہ ــــ " شبلی صاحبِ سُکر ہے ورنہ اگر وہ مستی سے ہوش میں آ جائے تو ایک ایسا امام ہو جس سے نفع ہی نفع حاصل ہوا کرے ۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تواجد سے مراد وجد لانے کے لئے تکلف کرنا ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ انعاماتِ خداوندی اور شواہدِ حق کو پیشِ نظر کیا جائے تاکہ وہ دل خیالِ قرب و وصال میں منہمک ہو جائے اور مردانِ حق کی روش اختیار کرنے کی تمنا اس میں بیدار ہو جائے۔ لیکن بعض رسوم پرستوں نے اصحابِ وجد کی تقلید کچھ اس انداز سے شروع کر دی کہ ان کی ظاہری حرکات کو رقص تصور کر کے اچھا خاصا رقص کرنا شروع کر دیا اور ان کے رموز کو متعارف اشارے خیال کر کے اشارہ بازی کو تواجد سمجھ بیٹھے"۔ البتہ اگر یہ مذموم تقلید مقصود نہ ہو تو تواجد مباح ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ "جب تم قرآن پڑھو تو رو ؤ۔ اور رونا خود بخود نہ آئے تو تکلف سے رو ؤ"۔ اور اسی تسلسل میں یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

"جو شخص کسی قوم یا جماعت سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے"۔

آداب و شرائطِ سماع یہ اس بحث کی آخری فصل اور کتاب کا اختتامی ورق ہے صاحبِ کشف المحجوب کے نزدیک آدابِ ذیل کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:۔

(۱) جب تک اس کی خاص طلب محسوس نہ ہو سماع نہ کیا جائے اور اسے عادت نہ بنا لیا جائے (یہ خواجہ مظفر بن احمد بن حمدان کی نصیحت کے عین مطابق ہے)

(۲) سماع دیر دیر سے یعنی کافی وقفے کے بعد ہونا چاہیئے تاکہ اس کی عظمت دل سے رخصت نہ ہو جائے۔ (یہ خواجہ حصری کے تصورِ سماع کے بالکل برعکس ہے جو علی جلابی کے مرشد تھے)

(۳) مریدوں کو سماع مرشد کی موجودگی میں کرنا چاہیئے۔ نیز مقامِ سماع پر جمِ غفیر جمع نہ کر لینا چاہیئے (اسی نظریئے کو آگے چل کر "زمان، مکان، اخوان" کی شرائط کے طور پر اکابر صوفیا نے اپنایا)

(۴) گانے والا قابلِ احترام ہو۔ طبیعت سے لغویات کو خالی کر چکا ہو اور دنیاداری میں مبتلا نہ ہو۔ (اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس گروہ کا درجہ مصنف کے نزدیک کتنا بلند ہے جبکہ ہمارے ہاں نو سو سال بعد بھی، تہذیب و ثقافت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ان لوگوں کو "اربابِ نشاط" سے موسوم کیا جاتا ہے اور معاشرے میں انہیں کوئی عزت و توقیر حاصل نہیں، پھر وہ طبیعت کو لغویات سے خالی کر کے ہوسِ زر سے بے نیاز کیونکر ہو سکتے ہیں؟)

(۵) اگر قوتِ سماع از خود پیدا نہ ہو تو یہ طریقت کی کوئی لازمی شرط نہیں کہ خواہ مخواہ اس میں مبالغے سے کام لیا جائے۔ اسی طرح اگر سماع کا غلبہ دل پر ہو جائے تو تکلف سے یعنی زبردستی اسے دور کرنے کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت نہیں (صاحبِ تصنیف کی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وہ فطری تقاضوں کو دبانے کے نہیں بلکہ اُن میں اعتدال پیدا کرنے کے حق میں ہیں)

(۶) قوتِ طبع اور سوز و گدازِ وجد میں جو فرق ہے اس سے آگاہی لازم ہے (یعنی سماع کو لہو و لعب تصوّر کرنا چاہیئے بلکہ اس کی معنویت سے استفادہ ضروری ہے)

(۷) سُننے والے کو چاہیئے کہ کسی دوسرے کے سماع میں مداخلت نہ کرے اور اسکی نیت کو جانچنے میں نہ لگا رہے۔

(۸) گانے والا اچھا ہو تو اسے جتانے کی ضرورت نہیں کہ واہ واہ تم خوب کہہ رہے ہو اور اگر اس کا گانا اچھا نہ ہو یا غیر موزوں سے ہونے کے باعث طبیعت کو منغّص کر رہا ہو تو اسے یہ نہ کہنا چاہیئے کہ ٹھیک سے کہو یا بہتر ادائیگی کی کوشش کرو۔"

صاحبِ کشف المحجوب کا براہِ راست خطاب طالبانِ راہِ سلوک سے ہے اور وہ بھی آج سے نو سو برس پیشتر کے ماحول میں، لیکن ان سے استفادہ حسبِ استعداد و قبول ہر کوئی کر سکتا ہے بلکہ ہر زمانے میں کیا جاتا رہا ہے جس کا ثبوت وہ کتابیں ہیں جو تصوف پر اُن کے بعد لکھی گئیں جن کے بیشتر مصنفین نے کشف المحجوب سے بہت کچھ استفادہ کیا اگرچہ اکثر اس کا حوالہ دینے سے دانستہ یا نادانستہ گریز کیا۔ ان نظریات کا اس درجہ قبولِ عام پانا اس وجہ سے تھا (اور ہے) کہ یہ تصوّرات کسی راہبِ گوشہ نشین کے نہیں بلکہ اس عارفِ ژرف بین کے ہیں جس نے عمر کا معتدبہ حصہ سیاحت میں اس غرض سے گذارا کہ حکمت مومن کی میراث ہے اور جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرنا فرض ہے، یہ ارشادات اس عالمِ باعمل کے ہیں جس نے ہر عمل کو علم کی کسوٹی پر پرکھنا اصولِ زندگی بنا لیا تھا اور کھرے کو کھوٹے سے الگ رکھنا شعارِ زندگی۔ سید علی ہجویری سالکِ طریقت ہی نہ تھے بلکہ مبلغ بھی تھے اور یوں ان کا پیغام فقط خواص کی نہیں بلکہ عوام کی چیز بھی بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مذکورہ بالا آداب و شرائطِ سماع کو ہی لے لیجئے۔ ان میں سے کون سی بات ناقابلِ عمل یا غیر ضروری ہے؟ کیا ہر کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ سارا وقت سماع میں ضائع نہ کرتا رہے؟ (آجکل کی اصطلاح میں اسے موسیقی یا راگ رنگ کہہ لیجئے لیکن کیا ہر روز اسی میں الجھے رہنا درست ہے؟) کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ کبھی کبھی گانا سُننے میں زیادہ لُطف آتا ہے بہ نسبت اس کے کہ روزانہ اسے ذہنی تعیّش کا بہانہ بنا لیا جائے؟ اسی طرح کیا یہ ضروری نہیں کہ مجالسِ سماع میں شور و غل، ہلڑ بازی اور بدتمیزی کا مظاہرہ نہ کیا جائے؟ داد و تحسین میں آسمان سر پہ اٹھا لینا یا ناپسندیدگی کے اظہار کے سلسلے میں مجلس کو نقار خانہ بنا دینا

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

© rasailojaraid.com